مولانا محمد حنیف ندوی

ایک آیت

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ
مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(البقرۃ ۲۲۱)

ترجمہ: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں، اور بلاشبہ مسلمان باندی، مشرکہ سے بہرحال بہتر ہے۔ اگرچہ وہ (مشرکہ) تمھیں بھاتی۔ اور نہ مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں دو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور بلاشبہ مسلمان غلام، مشرک سے کہیں اچھا ہے۔ اگرچہ وہ (مشرک) تمھیں بھاتا ہو۔ یہ مشرک دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے، اور اللہ اپنی آیتوں کو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اسلام جہاں ایک دین، ایک اسلوب حیات اور زندگی کا ایک جچا تلا آئین اور نقشہ ہے وہاں یہ سب سے بڑی مصلحت بھی ہے۔ جس کی رعایت تگ و دو اور معاملہ کے ہر ہر دائرے میں رکھی گئی ہے۔ نکاح یا ازدواجی تعلقات کی استواری بظاہر ایک نجی معاملہ ہے۔ اور اس کا تعلق صرف میاں بیوی کی پسند ناپسند، اور ذوق و میلانات کی ہم آہنگی سے ہے۔ لیکن اسلام نے اس کے لیے بھی قیود و حدود کا تعین کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ معاملہ کی اس نوعیت کا جس کو تم دو انسانوں کا اپنا اور نجی معاملہ گنتے ہو عقائد و اعمال اور معاشرہ کی اجتماعی مصلحتوں سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے اسلام کی مصلحت، عقائد و اعمال کی مصلحت، اور مسلمانوں کے ملی و اجتماعی مفادات کو بہرحال مقدم رکھا جائے

کیونکہ اس مصلحت کی رعایت و پاسداری میں خود اس شخص کی اپنی مصلحت بھی شامل ہے، جس نے زندہ رہنے کے لیے ایک باقاعدہ نظام اور معاشرہ کو چن لیا ہے۔

اس آیت میں سادہ لفظوں میں تو یہی کہا گیا ہے کہ مسلمان مرد مشرک عورتوں سے شادی نہ کریں اور نہ مسلمان عورتوں کو مشرکین کے حبالہ عقد میں دینا منظور کریں۔ لیکن اصل غرض اس حقیقت کا اظہار کرنا ہے کہ تم جہاں ایک مرد اور ایک عورت ہو وہاں ایک منعتین تبلیغی دین کی نعمتوں سے بہرہ مند بھی ہو اس لیے تم دونوں کو دیکھنا ہو گا کہ اس تعلق سے کہیں تمہارے اور تمہاری اولاد کے عقائد و افکار تو متاثر نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے جب ایک مشرک عورت گھر میں آئے گی تو وہ صرف عورت ہی کی حیثیت سے تمہارے گھر کی رونق بڑھانے نہیں آئے گی بلکہ وہ اپنے ساتھ خیالات، وافکار اور عقائد و رسوم کا اپنا اسلوب بھی لائے گی۔ جس سے تم بھی اثر قبول کر سکتے ہو۔ اور تمہاری اولاد بھی۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان عورت مشرک مرد کی زوجیت میں دی جائے گی تو اندیشہ ہے کہ مرد کی بالادستی کی وجہ سے کہیں وہ اور اس کی اولاد اسلام کی نعمت ہی سے محروم نہ ہو جائے۔ اس بنا پر اسلام نے ضروری سمجھا کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت اپنے اس نجی معاملہ میں بھی اسلام اور عقیدے کی مصلحت کو بہر حال ملحوظ و مرعی رکھیں۔ تاکہ دونوں کی زندگی میں وہ تضاد اور اختلاف نہ ابھرے جو اسلام کو کفر سے، توحید کو شرک سے اور جنت کو دوزخ سے قریب تر کر دینے کا باعث بنے۔

اس حکم میں ازدواجی زندگی کے اس گہرے فلسفہ کو واضح کر دیا گیا ہے کہ میاں بیوی کی مسرت و شادمانی کا اصل راز طرز حیات کی ہم آہنگی اور اشتراک معانی پر مبنی ہے اور یہ کہ شادی صرف دو جسموں کا اتصال یا ملاپ نہیں۔ دو روحوں کا ایک مشن اور مقصد پر متحد ہونے کا نام ہے۔ اس لیے وہ جوڑا انسبتاً زیادہ خوش نصیب اور زندگی کی شمیم آرائیوں سے زیادہ لطف اندوز ہونے کا استحقاق رکھتا ہے جن میں فکر و نظر اور ایمان و عقیدے کا اتحاد زندہ بیدار، اور متحرک ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف حضورؐ نے ایک حدیث میں اشارہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ لوگ عموماً ان عورتوں سے شادی کرتے ہیں جو حسن و جمال کے لحاظ سے بیچیں یا جن کا حسب و نسب اونچا ہو۔ یا جو اپنے ساتھ مال و دولت کی فراوانیاں لائیں۔ اور

کچھ ایسے بھی ہیں، جو ان کے بجائے عورتوں میں فکر و نظر اور دین و حیا کی تابندگی دیکھنے کے آرزومند اور متمنی ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ دینی تقاضوں کو مقدم جانو اور ایسی عورتوں سے گھر کے در و بام کو سجاؤ، جو اپنے اخلاق، عادات اور اطوار سے پورے گھر کو بقعۂ نور بنا دیں۔

اس حدیث سے کہیں اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیے گا کہ حسین و جمیل یا مالدار، اور حسب و نسب کے لحاظ سے اونچی عورتیں دین کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں۔ نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو حسین، مالدار اور حسب و نسب کے اعتبار سے، بلند مرتبہ عورتوں میں سوال پسند اور انتخاب کا درپیش ہو تو وجہ ترجیح دین اور عقیدہ و نظر کی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ حسن و دولت یا حسب و نسب کے مراتب میں کمی یا بیشی نہیں!

سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے دین کو وجہ ترجیح کیوں ٹھیرایا۔ کیا حسن و جمال میں کم کشش ہے؟ کیا حسب و نسب کی خوبی قابل لحاظ نہیں۔ اور کیا مال و دولت کی فراوانیوں سے استفادہ بجائے خود اہم نہیں؟ جواب دو انداز سے دیا جا سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ حسن و جمال، حسب و نسب اور مال و دولت اپنی جگہ بہت اہم ہیں، مگر عقیدہ و فکر، مشن اور مقصد اور منزل و راہ کی اہمیتیں ان پر تقدم و فوقیت رکھتی ہیں۔ اور ہم چونکہ ایک نظامِ حیات کو مانتے ہیں۔ اس لیے اس کی مصلحتوں کی رعایت بہرحال ضروری ہے۔ جواب کا ایک یہ انداز ہے۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ دین یا عقیدہ و عمل کی پاکیزگی و استواری اپنی آغوش میں، حسن و جمال کی درخشانیاں بھی لیے ہوئے ہے اور مال و دولت یا حسب و نسب کا وقار و حشمت بھی۔ یہ اللہ کا وہ انعام ہے جسے زوال کا کوئی خطرہ نہیں۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت میں ایک ذہنی اشکال مضمر ہے جو یہ ہے کہ سورۃ مائدہ کی اس آیت سے اس کا بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے ازدواجی رشتوں کو استوار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس تعارض کو کیونکر رفع کیا گیا ہے۔ اس کے لیے جواب سے پہلے اس نکتہ کو ملحوظ دم رکھنا چاہیے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں فکر و نظر کی ہم آہنگی بڑی حد تک موجود ہے۔ دونوں خدا کو مانتے ہیں۔ دونوں انبیاء کے قائل ہیں۔ دونوں اخلاقی و اجتماعی قدروں کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں اور دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ

اعمال خیر و شر پر جزا اور سزا کا قانون برحق اور درست ہے۔ فرق تفصیلات اور ارتقا و تکمیل کا ہے۔ یعنی جہاں اہل کتاب شریعت و قانون کو ایک خاص منزل پر لا کر چھوڑ دیتے ہیں، وہاں اسلام اس سے آگے بڑھ کر شریعت و قانون کے تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے اور اس کو ارتقا کی آخری منزلوں تک لے جاتا ہے۔ اسلام اور اہل کتاب میں ایک فرق تصحیح اور حفاظت و صیانت کا بھی ہے۔ قرآن حکیم نے نہ صرف انسانوں کو ایک مکمل ضابطۂ حیات بخشا ہے۔ بلکہ اہلِ کتاب کی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ فکر و عمل میں ان لوگوں نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔ عیسائی عورتوں سے شادی کے جواز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام اتفاق و اتحاد کے انسانی دائروں کو وسیع سے وسیع تر دیکھنے کا متمنی ہے۔

رفع تعارض کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ "مشرکین" اور "مشرکہ" کو ایک اصطلاح قرار دیا جائے جس سے مراد مکہ کے مشرکین ہیں۔ وہ نہیں جس کے عقائد میں شرک کے پہلو ابھر آئیں۔ دوسرے یہ کہ جواز کی صورت کو استثنائی شکل قرار دیا جائے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور مکحول و حسن کی یہی رائے ہے۔

اس جواز کو مان لینے کے بعد دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکماً اس طرح کی شادیوں کو اپنے عہد میں روک دیا تھا۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہی تھی کہ اس جواز سے متعدد حضرات نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جس سے اسلامی معاشرہ میں کئی پیچیدگیاں اور خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ کی نگاہِ بصیرت و اجتہاد نے اس خطرہ کے پیش نظر اس طرح کی مخلوط شادیوں کو ممنوع قرار دے دیا۔ ظاہر ہے حکم کی یہ نوعیت بالکل اجتہادی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے یہ حکیمانہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ بعض دفعہ مباحات کثرت استعمال یا غلط استعمال کی وجہ سے محذورات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ایک اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اس طرح کے خطرات پر کڑی نگاہ رکھے۔